ارم نیّر
پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی
ڈاکٹر تنظیم الفردوس
صدر، پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

’’خیمے سے دُور‘‘ انتظار حسین کے افسانوں کے مجموعے کا لسانی تجزیہ

ABSTRACT

"Theme say dour": The linguistic analysis of Intezar Hussain's short story collection

By Irum Nayyar, PhD research scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Dr. Tanzim-ul-Firdous, Chairperson, Professor, Department of Urdu, University of Karachi.

Intizar Hussain has expressed his creativity in many genres of literature. However, his real fame is in the field of fiction. He did many experiments in his literary journey and combined fiction with modern tradition.

In this article, a concerted effort has been made to analyze their vocabulary, with the aim of understanding the allure and depth of the themes, styles, language and expressions of these two myths and gaining access to their vast knowledge with a special focus on Indo-Islamic Civilisation, Shiite beliefs, migration and human psychology.

He used Sanskrit, Arabic and Persian, similes and metaphors, allusions and compounds, obsolete and contradictory words. Therefore he is considered a master of style and an imam of unique fiction.

انتظار حسین نے ادب کی کئی اصناف میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ تاہم ان کی اصل شہرت افسانوی ادب کے حوالے سے ہے انھوں نے اپنے ادبی سفر میں کئی تجربات کیے اور افسانوں کو قدیم پیراہن دے کر جدید روایتوں سے ہمکنار کیا۔ اس مضمون میں ان اسلوب کی لفظیات کا تجزیہ کرنے کی ادنیٰ کوششیں کی گئی ہے جس کا مقصد ان افسانوں کے موضوعات، اسلوب اور زبان و بیان کی دلفریبی اور گہرائی کو سمجھنا اور ان کے وسیع علم سے فیضیاب ہونا ہے۔ ان افسانوں کے خاص موضوع ہند اسلامی تہذیب، اسلامی وشعیت عقائد اور تاریخ، ہجرت اور انسانی نفسیات ہیں۔ اسلوب کے حوالے سے

کچھ افسانے داستانی رنگ لیے ہوئے ہیں اور کہانی در کہانی کا لطف دیتے ہیں۔ اختصار و جامعیت بھی ہے اور کہیں کہیں خود کلامی اور مکالماتی انداز اختیار کیا گیا ہے انھوں نے اپنے افسانوں میں ندرتِ فکر اور علامت نگاری سے بڑا خوب صورت اظہار کیا ہے۔ لفظیاتی تجزیہ کیا جائے تو ان افسانوں میں سنسکرت الاصل ہندی الفاظ، عربی و فارسی الفاظ و تراکیب، تشبیہات و استعارات، تلمیحات اور مرکّب و ذومعنٰی الفاظ کا استعمال اور کہیں کہیں متروک اور متضاد الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

انتظار حسین کے افسانے سحر انگیز طریقے سے قاری کے دل و ذہن کو مسخر کرتے ہیں۔ جذبات کا زیروبم ہو یا واقعات کا تسلسل، حالات کی سنگینی ہو یا آتشِ رفتہ (ماضی) کی تلاش ان کی کہانیاں اپنے موضوع و اسلوب میں لازوال ہیں اور وہ اپنی تحریر کے ہر رنگ میں منفرد حیثیت کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افسانوی ادب میں انھیں صاحبِ اسلوب ادیب اور منفرد افسانہ نگاری کا امام سمجھا جاتا ہے۔

انتظار حسین ۲۱ دسمبر ۱۹۲۵ء میں ضلع بلند شہر کے قصبے ڈبائی میں پیدا ہوئے۔[۱] ان کے والد کا نام منظر علی اور والدہ صغریٰ بیگم تھیں۔ والد نے ان کا نام ''محمد'' رکھا لیکن خاندان والوں نے انتظار حسین رکھا اور یہی نام ان کی پہچان بنا۔[۲] پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ ان کا بچپن ڈبائی اور ہاپوڑ کی گلیوں میں بسر ہوا اور کم و بیش دس سال ان دونوں بستیوں میں گزارے۔ ان کا خاندان رجحان اور عقیدے کے لحاظ سے دو جہتوں میں تقسیم تھا۔ کچھ افراد شیعہ مسلک اور کچھ اہلِ سنّت عقیدے کے تھے۔ محمد عمر میمن سے بات چیت کے دوران انھوں نے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ:

بقول حکیم عبدالحئ:

> میرے والد صاحب مذہباً شیعہ تھے لیکن میرا خاندان جوان کا پورا خاندان تھا وہ اہلِ سنّت کا تھا۔[۳]

ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے والد سے گھر پر ہی کیا اور عربی، فارسی اور قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کی۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُردو اور انگریزی تعلیم میں گہری دلچسپی رہی لہٰذا ہاپوڑ ہائی اسکول میں آٹھویں جماعت میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔[۴] ۱۹۴۲ء میں میرٹھ کالج سے ایف اے ۱۹۴۴ء میں بی اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ بی اے کرنے کے بعد میرٹھ کالج سے ہی ۱۹۴۶ء میں ایم اے اُردو سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔[۵] اس دوران میرٹھ کالج میگزین کے اُردو سیکشن کے مدیر رہے اور کچھ تنقیدی مضامین لکھے جو کالج میگزین اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۴۷ء کی جنگِ آزادی کے حوالے سے عارضی طور پر کھلنے والے ادارے ''راشنی'' میں انسپکٹر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔[۶] ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کی اور اسپیشل ٹرین کے ذریعے میرٹھ سے لاہور پہنچے اور آخری ایّام تک لاہور میں ہی مقیم رہے۔

۲۳ مارچ ۱۹۶۶ء میں بنارس کے معزز خاندان میں آغا حسن علی اور کریم النساء کی صاحبزادی عالیہ بیگم سے ان کی

شادی ہوئی۔[۷] عالیہ بیگم سادہ مزاج، ملنسار اور دوستانہ مراسم کی قائل تھیں۔ وہ انتظار حسین کی ادبی مصروفیات میں کبھی حائل نہ ہوئیں بلکہ اپنے بھرپور تعاون اور ہمدردانہ رویّے سے مددگار ثابت ہوئیں۔ انھوں نے انتظار حسین کے شائع ہونے والے کالموں کو بہت احتیاط سے محفوظ رکھا۔ ۳۸ سالہ خوش گوار شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد مختصر علالت کے دوران ہی ۲۴ جنوری ۲۰۰۵ء میں خالقِ حقیقی سے جاملیں۔[۸]

انتظار حسین نے پاکستان آنے کے بعد سب سے پہلے ہفت روزہ ''نظام'' میں بطور مدیر ملازمت کا آغاز کیا اور اس کے بعد ان کا ذریعۂ معاش بڑی حد تک صحافت ہی رہا۔ 'امروز'، 'آفاق'، 'نوائے وقت'، 'مشرق'، 'خیال' اور 'ادبِ لطیف' میں بہ طور ادارت ذمّے داریوں کو نبھایا انھوں نے انگریزی میں بھی کالم لکھے۔ لاہور سے شائع ہونے والا روزنامہ Civil and Military Gazzatte، Frontier Post اور Dawn سے وابستہ رہے۔

انتظار حسین نے کئی بین الاقوامی سفر اختیار کیے جن میں ہندوستان، نیپال، ایران، ترکی، عرب امارات، جرمنی، ناروے، انگلستان، امریکا اور کینیڈا شامل ہیں۔[۹]

موت سے کسی کو مُفر نہیں انتظار حسین نے اپنے تابناک ادبی سفر (جو ۱۹۴۸ء سے شروع ہوکر ۲۰۱۶ء پر محیط رہا) کو چھوڑ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور دس روزہ علالت کے بعد ۲ فروری ۲۰۱۶ء کو اس جہانِ فانی سے رُخصت ہوئے۔

انتظار حسین کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں کئی انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔ جس میں سب سے پہلے ان کے افسانے ''پیریم کاربونیٹ'' کو ۱۹۵۸ء میں مجلسِ ترقی ادب کی طرف سے انعام کا حق دار قرار دیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں ناول ''بستی'' کو آدم جی ایوارڈ دیا گیا جو انھوں نے قبول نہیں کیا۔ ۱۹۹۳ء میں ہندوستان کی ناشر روپا کمپنی نے یاترا انعام دیا دیگر اعزازات میں پرائڈ آف پرفارمنس، ستارۂ امتیاز، کمالِ فن ایوارڈ، اے آر وائی گولڈ ایوارڈ اور انجمن فروغِ ادب دوحہ کا ایوارڈ شامل ہے۔ ان کے علاوہ مین بکر بین الاقوامی ادبی انعام ۲۰۱۳ء کے لیے نامزد دس منتخب ناول نگاروں میں انتظار حسین کا نام بھی شامل تھا۔ ساتھ ہی ۲۰۱۴ء میں حکومتِ فرانس نے Officer Des Order Des Arts Des Letters مقرّر کیا۔[۱۰]

انتظار حسین اپنے عہد کے نام ور افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں جنھوں نے افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ تمام نثری اصناف میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے ہیں جن کی مختصر تفصیل درج ہے:

افسانوی مجموعے

گلی کوچے ۱۲/افسانے (شاہین پبلشرز، لاہور ۱۹۵۲ء)، کنکری ۱۵/افسانے (مکتبۂ جدید، لاہور، ۱۹۵۵ء)، آخری آدمی ۱۱/ افسانے (کتابیات، لاہور، ۱۹۶۷ء)، شہرِ افسوس ۱۷/ افسانے (مکتبۂ کارواں، لاہور، ۱۹۷۲ء)،

کچھوے ۱۷/افسانے (مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۲ء)، خیمے سے دُور ۱۷/افسانے (سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء)، خالی پنجرہ ۱۷/افسانے (۱۹۹۳ء)، شہرزاد کے نام ۱۷/افسانے (سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)۔

چار ناول اور ایک ناولٹ:

چاند گہن (مکتبۂ کارواں، لاہور، ۱۹۵۲ء)، دن اور داستان (ادارہ ادبیات، لاہور، ۱۹۶۲ء)

بستی (نقش اوّل کتاب گھر، ۱۹۸۰ء)، تذکرہ/ نیا گھر (سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء)

آگے سمندر ہے (سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)

انتظار حسین نے سوانح، خودنوشت اور تذکرہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی:

قائداعظم ابتدائی حالات (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء)، اجملِ اعظم یادگارِ اجمل، لاہور، ۱۹۹۵ء)

دلّی تھا جس کا نام (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء)، جستجو کیا ہے؟ (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء)

چراغوں کا دُھواں (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء)

انھوں نے دو سفرنامے لکھے:

زمیں اور فلک (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۴ء) اور نئے شہر پُرانی بستیاں (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء)

فنِ ڈرامہ نگاری میں اسٹیج، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے لیے ڈرامے لکھے جن کا مجموعہ خوابوں کے مسافر (سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء) کے نام سے شائع ہوا۔

انتظار حسین نے غیر افسانوی نثر میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ مثال کے طور پر تنقید نگاری سے متعلق ان کی تین تصانیف علامتوں کا زوال (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۳ء)، نظریے سے آگے (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء)، اپنی دانست میں (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء) منظرِ عام پر آئیں۔ ساتھ ہی مختلف رسائل و جرائد میں بھی وقتاً فوقتاً ان کے تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

کالم نویسی کی حیثیت سے انھوں نے طویل عرصے تک اپنی پیشہ ورانہ ذمّے داریوں کو نبھایا ہے اور نظام، امروز، ادبِ لطیف وغیرہ میں مختلف موضوعات پر کالم لکھے ہیں۔ ان کے شائع ہونے والے کالموں پر مشتمل تصانیف ذرّے (پاکستان فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۲ء)، ملاقاتیں (مکتبۂ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۸ء)، بوند بوند (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء)، قطرے میں دریا (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء) اپنی مثال ہیں۔

انتظار حسین نے کچھ افسانوی اور غیر افسانوی تصانیف کے تراجم بھی کیے ہیں جن میں:

نئی پود (مکتبۂ کارواں، لاہور، ۱۹۵۲ء)، ناؤ (آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۵۸ء)

سرخ تمغہ (یونائیٹڈ بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۰ء)، فلسفے کی نئی تشکیل (شیش محل کتاب گھر، لاہور، ۱۹۶۱ء)
سارہ کی بہادری (شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۳ء)، ماؤزے تنگ (نگارشات پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۷ء)
ہماری بستی (اُردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۷ء)، گھاس کے میدانوں میں (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء)
سعید کی پُراسرار موت (فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۶ء)، شکستہ ستون پر دُھوپ (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء)
شامل ہیں۔

ان ادبی کارناموں کے ساتھ ساتھ انھوں نے کچھ کتابوں کو مرتب بھی کیا کچھ انفرادی طور پر اور کچھ میں شریکِ کار کی حیثیت سے مثال کے طور پر انشاء کی دو کہانیاں (مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۷۱ء)، کلیہ ودمنہ (یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ۱۹۸۱ء)، سرشار کی الف لیلیٰ (شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۱ء)، خیال کا سن ستاون نمبر (آئینۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۹ء)، ۱۹۶۲ء کے بہترین افسانے (مکتبۂ جدید لاہور، ۱۹۶۳ء)، سنگھاسن بتیسی (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء) وغیرہ۔

مختصراً انتظار حسین نے اپنے ادبی سفر میں ادب کی کئی اصناف میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ تاہم ان کی اصل شہرت و پہچان ان کے افسانے اور ناول ہیں۔ جن میں انھوں نے علامتی و اساطیری اسلوب اختیار کیا ہے۔ علامتی اسلوب سے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ خان کہتے ہیں کہ:

> علامت نگاری ایک طرح سے رومانی نظریہ کی تخلیقی تصوّر پر مبنی ہے جس کی اساس بالعموم کسی تلمیح، قدیم داستان اور مذہبی قصّے پر ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اس میں متھ (Myth) سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی بچوں کی کہانیوں سے۔[۱۱]

انتظار حسین کا اسلوب علامتی و اساطیری ہے۔ ''علامتی اسلوب دراصل اظہار کی کوئی صورت نہیں بلکہ کسی ایک شے کو علامت کے طور پر پیش کر کے اس کے گرد کہانی کی فضا کو ہموار کرنا ہے۔''[۱۲]

اساطیری افسانہ میں تاریخی واقعہ کردار یا حالات کے پس منظر میں جدید ماحول کو بیان کرنے کی فنی کوششیں کی جاتی ہے۔ مہدی جعفری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> اساطیر... ایک ناسٹلجیائی کیفیت ہوتی ہے جو تلاش کو راہ دیتی ہے۔ یہ تمام کیفیات اساطیری علامتوں کے واسطے سے نفسیاتی قوت کا مآخذ بن جاتی ہے۔[۱۳]

ان کے تمام موضوعات اور تکنیک کو سمجھتے ہوئے انتظار حسین کی افسانہ نگاری کے موضوعات کے منظر اور پس منظر کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ مثلاً: 'ہند اسلامی تہذیب'، 'ہجرت'، 'ماضی پرستی'، 'مذہبی عقائد و نظریات'، 'ہندو دیو مالائی قصّے'، 'بودھ جاتک کہانیاں'، 'انسانی نفسیات کی مختلف کیفیات'، 'سیاسی انقلاب' اور قیامِ پاکستان کے پس منظر میں لکھی جانے والی کہانیاں جو انھوں نے علامتوں، استعاروں اور تمثیلی انداز میں تحریر کیں۔ قابلِ فہم ہو گئی ہیں۔

منتخب کردہ افسانوی مجموعہ کو موضوع کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

اوّل: مذہبی عقائد ونظریات کے حامل افسانے:

'خیمے سے دُور'، 'انتظار' اور 'سفرِ منزلِ شب'، جن میں علامت کے ذریعے ماضی کو حال کی پیچیدگیوں اور تبدیلیوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

دوم: ہند دیومالائی اور جاتک کہانیوں پر مشتمل افسانے جن میں:

'نرناری'، 'پورا گیان'، 'برہمن بکرا'، 'دسواں قدم' ہیں جن میں اساطیری انداز اختیار کرتے ہوئے ہندوستان کی قدیم تہذیب وثقافت اور مذہبی عقائد کے ذریعے انسانی شعور کی گتھیوں کو سمجھنے کی کوششیں کی گئی ہے۔

سوم: انسان کی نفسیات کی عکاسی کرنے والے افسانے:

'دُھوپ'، 'وقت'، 'پُرانی کہانی'، 'خالی گھر'، 'خواب میں دُھوپ'، 'اجنبی پرندے'، 'برہ کی کہانی' ہیں۔ان افسانوں میں انسان کے جذبات واحساسات جیسے خوف، اندیشے، وسوسے انتظار کی کیفیت، اُمید و نا اُمیدی اور ازلی توہم پرستی جیسے جذبات کا خوبصورت اظہار ہے۔

چہارم: ہجرت، ماضی پرستی اور قیامِ پاکستان کے بعد پیش آنے والے مسائل کا ذکر ہے۔ان میں:

'پلیٹ فارم'، 'حصار'، 'چیلیں' جیسے افسانے شامل ہیں۔

ڈاکٹر نثار ترابی انتظار حسین کے فن اور اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> جس افسانہ نگار نے علامتوں کو کہیں اکہری سطح اور کہیں دبیز سطح پر نئے معنوی پھیلاؤ کے ساتھ استعمال کیا وہ تہذیبی، مذہبی اور اساطیری حوالوں کی ترجمانی کرتی چلی گئیں وہ افسانہ نگار لاریب انتظار حسین ہیں۔ (۱۴)

انتظار حسین کے اسلوب اور موضوع سے متعلق ڈاکٹر تحسین بی بی اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں:

> ان کی زیادہ تر کہانیاں ماضی کی بازیافت، تہذیبی منطقوں اور اساطیر کے مطالعے کے باوجود ارضیت، حقیقت اور مقامیت کا رنگ ڈھنگ لیے ہوئے ہیں۔ (۱۵)

مجموعی طور پر انتظار حسین ایک ایسی باعلم و اَدبی شخصیت ہیں جن کا دائرۂ علم بے کنار وسعتوں سے دوچار ہے۔تاہم اس وسعت میں کہیں تعصب کی لہر شامل نہیں بلکہ عالمگیریت ہے جو انسانیت کے احساس سے بھرپور ہے۔وہ انسانی فطرت و نفسیات کی عکاسی آیاتِ کریمہ، احادیثِ نبویؐ، اقوال، بودھ مت کے عقیدۂ اہنسا، جاتک کہانیوں اور دیوی دیوتاؤں کے اشلوک سے کرتے ہیں۔اگر قاری کا اپنا علم وآگہی اس نہج کا نہ ہوتو انتظار حسین کو سمجھنا اور حظ اُٹھانا آسان نہیں۔

لسانی اعتبار سے انتظار حسین نے جو زبان اختیار کی وہ اُردو (عربی و فارسی) اور ہندی (سنسکرت الاصل) کا بہترین

لسانی امتزاج ہے۔ کہتے ہیں زبان کو قوموں اور مذہب کے حوالے سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا یہ سماجی شعور اور باہمی اشتراک سے پھلنے پھولنے والا عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان ہند اسلامی تہذیب و معاشرت کی پروردہ نظر آتی ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین کہتے ہیں کہ:

> تہذیب میں کچھ بیرونی اور اندرونی نہیں ہوتا ہر تہذیب کی قوت دوسری ثقافتوں سے مستعار لیتے رہنے میں ہے۔ یہی کیفیت زبان کی لفظیات اور اَدب کے رجحانات کی ہے۔ (۱۶)

ادبی شہ پارے اپنے اندر معنویت اور لفظوں کا خزانہ پوشیدہ کیے ہوئے ہوتے ہیں جن سے نہ صرف مصنف کے خیالات و نظریات اور اسلوب سے واقفیت ہوتی ہے بلکہ قدیم و جدید کے درمیان لفظوں کی کڑیاں اور زمانے کی ثقافتی و تہذیبی تبدیلیاں بھی ہمارے آنے والے کل کی راہوں کو ہموار کرتی ہیں۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

> لفظیات کا فن دراصل کسی شاعر یا نثر نگار کے ہاں مستعمل اہم الفاظ و تراکیب بالخصوص غریب و نامانوس، قلیل الاستعمال اور عجیب و انوکھے الفاظ کو درج کرنا اور ان کے استعمال کی مثالوں کو محفوظ کرنا ہے۔ (۱۷)

مزید اس کی وضاحت اس طرح لکھتے ہیں:

> اس کا ایک اہم مقصد سماجی و تاریخی اور تہذیبی تجزیہ بھی ہے کیوں کہ تہذیبی و ثقافتی تبدیلیاں لفظوں کے معنیٰ و مفاہیم کو بھی تبدیل کر دیتی ہیں اور املا و تلفظ بھی بدل جاتا ہے۔ (۱۸)

انتظار حسین کی لفظیات کا فن ایک آباد جہان ہے جس میں انھوں نے شعری و نثری قواعد و اصطلاحات کو افسانوی نثر میں بڑی عمدگی سے برتا ہے۔ علمِ بدیع کے حوالے سے صنعتِ تضاد، صنعتِ تلمیح، تکرارِ الفاظ، سیاقتہ الاعداد اور مترادفات کا استعمال کیا ہے۔ ساتھ ہی علمِ بیان سے تشبیہ اضافتِ تشبیہ، استعارہ، اضافتِ استعارہ اور مجاز و کنایہ کی بہترین مثالیں دی ہیں۔ قواعد کی رُو سے ذو معنیٰ الفاظ، اسمِ صوت، مہمل اور تابع مہمل الفاظ، سابقے و لاحقے، تراکیب، مرکبات، محاورات اور کہاوتیں وغیرہ اور کچھ علاقائی لہجے کے حامل الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن سے ان کی تحریر خوب صورت پُراثر اور رنگین ہوگئی ہے۔

ان ہی اُصول و قواعد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مجموعہ ''خیمے سے دُور'' کی مختصر فہرست دی جارہی ہے۔

مشکل الفاظ مع معنیٰ و اسناد

۱۔	ابھاگن	(اصغر)	بدقسمت	میں ابھاگن اب جی کر کیا کروں گی۔ (ص:۴۱)
۲۔	اپمان	(اصغر)	بے عزتی، بے قدری	مانے تو کیسے مانے، نہ مانے تو رشی کا اپمان ہوتا ہے۔ (ص:۶۳)

۳۔	اچرج	(اصغر)	تعجب، حیرت	کتنے اچرج کی بات ہے؟ اور وہ اتنا حیران ہوا کہ سکتے میں آ گیا۔ (ص:۵۰)
۴۔	ارتھ	(اصغر)	معنٰی، مطلب	اس کا کوئی ارتھ، کوئی تت ہے ہی نہیں۔ (ص:۹۷)
۵۔	اگیانی	(اصغر)	ناسمجھ، نادان	دھرمی ادھرمی، گیانی اگیانی سب یہاں آتے ہیں۔ (ص:۶۳)
۶۔	الل ٹپ	(آصفیہ)	بے خیالی، بے ٹھکانہ	بندے علی اسے الل ٹپ یاد آ گئے۔ (ص:۳۳)
۷۔	رن بھوم	جدید	جنگ کا مقام	جب اس سورما کا رتھ رن بھوم میں دوڑا۔ (ص:۱۸۰)
۸۔	انمل	(اصغر)	غیر مناسب، بے جوڑ	اسے اپنا پورا وجود انمل بے جوڑ دکھائی پڑتا۔ (ص:۵۲)
۹۔	باہنگ	(اصغر)	گھوڑوں کا رکھوالا	راجا! مجھے باہنگ کہتے ہیں۔ گھوڑوں کا ادا شناس ہوں۔ (ص:۱۶۵)
۱۰۔	بپتا	(اصغر)	رنج، مصیبت	جب کسی بھگت پہ بپتا پڑتی ہے تو وہ ترت پہنچ کر اسے سنکٹ سے نکالتی ہے۔ (ص:۴۵)
۱۱۔	برہم چاریہ	(اصغر)	پہلا آشرم، زمانۂ طالب علمی	برہم چاریہ پالن بھولے، تپ سے جی اچاٹ ہوا۔ (ص:۶۱)
۱۲۔	بِسرنا	(علمی)	بھول جانا	پھر وہ ذہن سے بِسرتی چلی گئی۔ (ص:۷۵)
۱۳۔	بُوجھا	(اصغر)	عقل فہیم، جاننا	اس کے سب بھیدوں کو اس نے بُوجھا ہوا ہے۔ (ص:۴۶)
۱۴۔	بَہائی	(علمی)	بہاءَ اللہ مذہب کا پیرو/ بابی مذہب کی ایک شاخ	کراچی میں میری مڈھ بھیڑ ایک بہائی سے ہوگئی۔ (ص:۱۲۴)
۱۵۔	بلاپ	(اصغر)	گریہ زاری، رنج و غم	پتا اور پتی دونوں کے ملاپ کے لیے بلاپ کیا۔ (ص:۱۶۷)
۱۶۔	بیکنٹھ	(اصغر)	جنت، بہشت	یہ کہہ کر بکرا دیودیہی میں بیکنٹھ سدھارا۔ (ص:۹۶)
۱۷۔	پاکھنڈ	(اصغر)	بدراہ چلنے والا، مکرو فریب	میں نے خواہ مخواہ ہی یہ پاکھنڈ کیا۔ (ص:۱۷۶)
۱۸۔	پائنتی	(آصفیہ)	چارپائی کے پاؤں کی طرف کا حصہ	صبح ہونے پر سرھانے کی چھڑیاں پائنتی رکھتا۔ (ص:۵۲)

۱۹۔	پرسن	(اصغر)	خوش ہونا	میں تجھ سے پرسن ہوئی سو میں نے تیرے پتی اور بھیا کو جی دان دیا۔ (ص:۴۸)
۲۰۔	پرجاپتی	(اصغر)	رعایا کا مالک، بادشاہ	پرجاپتی مور بنے اور اس کے پیچھے پیچھے اُڑے۔ (ص:۵۹)
۲۱۔	پستک	(اصغر)	کتاب، صحیفہ، پوتھی	راگ رنگ کو تیاگا پستکوں پر جھک گیا۔ (ص:۵۴)
۲۲۔	تپ	(اصغر)	عبادت، ریاضت	ایک بار وشوامتر جی نے ایسی تپ کی کہ دیوتاؤں میں کھلبلی پڑ گئی۔ (ص:۶۱)
۲۳۔	تت	(اصغر)	برہم یا خداوند تعالیٰ کا ایک نام	اس کا کوئی ارتھ، کوئی تت ہے ہی نہیں۔ (ص:۹۷)
۲۴۔	ترنت	(اصغر)	فوراً، جلدی، اسی وقت	پراسر جی نے یہ سن ترنت اپنے اور سیتاوتی کے اردگرد دھند پیدا کی۔ (ص:۶۳)
۲۵۔	تنک	(اصغر)	چھوٹا، قلیل، (مرادی) ذرا سا	اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور دل میں کہا: میں تو اَب تنک ہی سا رہ گیا ہوں۔ (ص:۵۱)
۲۶۔	ٹوہا	(آصفیہ)	چھان بین، ڈھونڈنا	اس سے سوال جواب کیے۔ ہر پہلو ہر رنگ سے اسے ٹوہا۔ (ص:۱۷۹)
۲۷۔	جانہار	(آصفیہ)	جان دینے والا	صاحب کوئی کوئی عورت ایسی جانہار ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اس کے لیے اپنی جان دے دیں۔ (ص:۱۲۲)
۲۸۔	چاتر	(آصفیہ)	تیز، چالاک	یہ بکرا بہت چاتر ہے۔ (ص:۹۵)
۲۹۔	چیچڑ	(مرادی معنی)	ضدی، اپنی بات پر اڑا ہوا	اس نے اسے طمانچہ مارا اور بھاگ کھڑی ہوئی پر کیچک بھی چیچڑ نکلا۔ (ص:۱۷۵)
۳۰۔	چکنم	(مرادی معنی)	سوچ بچار، شش و پنج	قلی کی رُخصتی کے بعد سوٹ کیس والا مسافر تھوڑی دیر چکنم میں رہا۔ (ص:۱۲۹)
۳۱۔	چمرخ	(علمی)	لاغر، دُبلی، کمزور عورت	کھال چمرخ، پسلیاں ایک ایک کر کے گن لو۔ (ص:۵۶)
۳۲۔	چٹیک	(آصفیہ)	شوق، دُھن، لگن	ایک بار نارد منی کو یہ جاننے کی چٹیک ہوئی۔ (ص:۱۶۷)
۳۳۔	دبدا، دبدھا	(علمی)	شش و پنج، شک و شبہ	کچھ کہنے کے بعد دھاول دبدا میں پڑ گیا۔ (ص:۴۹)

۳۴۔	دُر بھاگ	(اصغر)	بدقسمت، بدنصیب	مجھ سے بڑھ کر دُر بھاگ کس کے ہوں گے۔ (ص:۴۷)
۳۵۔	دُردشا	(اصغر)	بُری حالت، مصیبت	اس دُردشا میں برہمن بلی نے اپنے جنموں کو یاد کیا۔ (ص:۹۷)
۳۶۔	دَشا	(اصغر)	حالت، نصیب	دمینتی کی بھی یہی دشا ہوئی تھی۔ (ص:۱۷۹)
۳۷۔	دھرمی	(اصغر)	نیک، خدا پرست	دھرمی ادھرمی گیانی اگیانی یہاں آتے ہیں۔ (ص:۶۳)
۳۸۔	دھرپٹخ	(مرادی معنی)	جھگڑا، اٹھا پٹخ	نتیجہ کشتم کشتا، دھرپٹخ اور دینا نے آکر رضیہ کو اطلاع دی کہ آپا جی! آج میں نے مُنّے کی ٹھکائی کردی۔ (ص:۱۸۶)
۳۹۔	دیودیہی	(علمی)	پریوں کے نر (مرد) جیسا جسم	یہ کہہ کر بکرا دیودیہی میں بیکنٹھ سدھارا۔ (ص:۹۶)
۴۰۔	دیوستھان	(اصغر)	خداوند تعالیٰ کے رہنے کی جگہ	منیکا... دیوستھان سے اتر کر اس بن میں پہنچی جہاں وشوا متر جی تپ کر رہے تھے۔ (ص:۶۱)
۴۱۔	ڈشٹ راکشش	(مرادی معنی)	شیطان، بدذات	اسے وہ راج کماری یاد آجاتی جو ڈشٹ راکشش کی قید میں تھی۔ (ص:۵۲)
۴۲۔	ڈنڈوت	(اصغر)	نمسکار، زمین پر گر کر سجدہ کرنا	پہنچے وشنو جی کے پاس، ڈونڈت کی اور پوچھا... (ص:۱۶۷)
۴۳۔	زِیَرک	(آصفیہ)	دانش مند، ہوشیار	تم، کہ زیادہ زیرک اور تیز نظر ہو مجھے بتاؤ کیا وہ چیلیں تھیں۔ (ص:۱۴۷)
۴۴۔	سرشٹی	(اصغر)	نظامِ کائنات	تم مہا گیانی ہو۔ سرشٹی کے کتنے بھید تم نے پائے۔ (ص:۵۳)
۴۵۔	سکشا	(اصغر)	تعلیم، تربیت	ودھوان جی! مجھے سکشا دو۔ (ص:۵۹)
۴۶۔	سمرن	(اصغر)	مالا، تسبیح	جان اور سمجھ کہ یہ مانُو جیون دکھوں کی سمرن ہے۔ (ص:۱۷۴)
۴۷۔	سندیہ، سندیہہ	(آصفیہ)	شک وشُبہ، گمان	اچھی طرح دیکھ لے پھر بعد میں کسی سندیہ میں پڑ جائے۔ (ص:۴۶)
۴۸۔	سَنْت	(آصفیہ)	نیک، پارسا، رِشی	کتنے سنتوں، سادھوؤں کے چرنوں میں بیٹھا۔ (ص:۵۵)
۴۹۔	سنکٹ	(آصفیہ)	مصیبت	جب کسی بھگت پر بپتا پڑتی ہے تو وہ ترت وہاں پہنچ کر اسے سنکٹ سے نکالتی ہے۔

۵۰۔	سیوا	(آصفیہ)	خدمت	کتنے سنتوں، سادھوؤں کے چرنوں میں بیٹھا، سیوا کی پر جلدی اکھڑ گیا۔ (ص:۵۵)
۵۱۔	سیس نوا	(مرادی معنی)	سر جھکا کر	چاروں ٹانگیں جوڑ کر اس پر کھڑا ہوا اور تماشا دیکھنے والوں کو سیس نوا کے پرنام کیا۔ (ص:۹۸)
۵۲۔	شناور	(علمی)	تیراک	وہ اس دریا کا شناور تھا۔ (ص:۱۶۰)
۵۳۔	شنکا	(بورڈ)	فکر، خوف	اسی کارن تو نل کو دمینتی کے بارے میں شنکا ہوئی تھی۔ (ص:۱۷۶)
۵۴۔	شوک	(اصغر)	غم، دُکھ، رنج	ہے راجا! شوک مت کر! اس میں بھی ایک بھید ہے۔ (ص:۱۶۶)
۵۵۔	کام واسنا	(آصفیہ)	خواہش، آرزو، تمنا	تو نہ سمجھا کہ کام واسنا نے تیری مت ماردی ہے۔ (ص:۶۲)
۵۶۔	کھانڈے	(اصغر)	تلوار، شمشیر	کیوں نہ اسی کھانڈے سے میں اپنا سر کاٹوں۔ (ص:۷۴)
۵۷۔	کتر	(مرادی)	ٹکڑا	بوا! مجھے ایک کتر دے دو! نگوڑا منہ تو چلے۔ (ص:۱۳۲)
۵۸۔	کرپا	(اصغر)	مہربانی، عنایت، محبت	وہ اپنے بھگتوں پر کتنی کرپا کرتی ہے۔ (ص:۴۵)
۵۹۔	کرتب	(آصفیہ)	ہُنر، کمال	انھونی کو ہونی کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ (ص:۵۰)
۶۰۔	کنسلائی	(آصفیہ)	ذرا سا ٹکڑا، ریزہ	ایک ننھی کنسلائی کان کے رستے داخل ہوگئی تھی۔ (ص:۳۴)
۶۱۔	کھنڈِت	(آصفیہ)	منتشر، خلل، تِتّر بِتّر	مگر اَب ان کی شانتی میں کھنڈت پڑ چکی تھی۔ (ص:۶۲)
۶۲۔	کیچک	(اصغر)	ایک راچھیس کا نام	میں نے رشی مہاراج: ایسے جانا کہ ابھی تک وہ کیچک سے بدک رہی تھی۔ (ص:۱۷۵)
۶۳۔	کلجگ	(اصغر)	زمانے کا چوتھا در۔ دَورِ حاضر	ایسا تو کلجگ میں ہوگا کہ ناری اپنے نر کو اور پتی اپنی پتنی کو نہیں پہچانے گا۔ (ص:۱۷۰)
۶۴۔	گنُوردل	(علمی)	گنواروں کا مجمع	اس گنور دل میں کیا پتا چلتا کہ کون آیا ہے۔ (ص:۱۹۸)
۶۵۔	گوپ	(مرادی معنی)	مدن سندری کا بھائی گوپی	مستک سے نیچے نیچے تو سارا تیرا گوپ؟ (ص:۵۱)
۶۶۔	لالسا	(اصغر)	دلی خواہش، حرص، رغبت	وہ ان کی لالسا بھری نظروں کو دیکھ کر ہرنی بن گئی۔ (ص:۵۹)
۶۷۔	مَانو	(اصغر)	انسان، بشر	مانو مستک سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ (ص:۵۱)

٦٨۔	مستک	(اصغر)	سر، پیشانی	میرا لے دے کے ایک مستک ہے باقی تو یہ سب انگ پرائے ہیں۔(ص:۵۱)
٦٩۔	مشہد	(آصفیہ)	ایران کا شہر	بس اتفاق سے مشہد میں ایک جوہری سے مل گیا تھا۔(ص:۱۲۲)
۷۰۔	مطبخ	(آصفیہ)	باورچی خانہ	اسے ملازم رکھ لیا اور اصطبل اور مطبخ، دونوں کا داروغہ بنا دیا۔(ص:۱٦۵)
۷۱۔	من	(مرادی معنی)	کنوئیں کی منڈیر	اسے پیاس کا دھیان آیا... بس وہیں من پر بیٹھ گیا۔(ص:۵۵)
۷۲۔	منورنجن	(آصفیہ)	دل خوش کُن	مہارانی کے منورنجن کا سامان کرتا ہے۔(ص:۱٦٦)
۷۳۔	ودیارتھی	(اصغر)	طالبِ علم، علم پڑھنے والا	تو نے کیا اس ودیارتھی کی کہانی سنی ہے۔(ص:۵۸)
۷۴۔	ویرتا	(اصغر)	بہادری، جوانمردی	راجا بیراٹ نے جیت کی سوچنا سنی تو اپنے پوت کی ویرتا کو بہت سراہا۔(ص:۱۸۰)
۷۵۔	واسنائیں	(آصفیہ)	خواہش	گورو! من بیاکل ہے۔ آتما دکھ میں ہے کارن؟ واسنائیں۔(ص:۵۷)

تشبیہات اور اسناد

۱۔ اڑتا سا خیال پرچھائیں کی مثال ذہن میں آیا اور گزر گیا۔(ص:۳۳)

۲۔ اس کی کھوپڑی ٹوپی کی طرح اُتار لی۔(ص:۳۴)

۳۔ اے میری بستی! تو میرے لیے عورت کی مانند ہوگئی۔(ص:۸۰)

۴۔ ایک کتا کھڑی دُم اور اُٹھے ہوئے منہ کے ساتھ سنتری کی صورت کھڑا تھا۔(ص:۳۷)

۵۔ بجلی کی طرح ایک خیال اس کے ذہن میں دوڑا۔(ص:۴۱)

٦۔ پتلی اُنگلی ایسی گلی سے گزر کر جب اس نے قاضیوں والی گلی میں قدم رکھا۔(ص:۳۳)

۷۔ پیہم جگالی کرنے والا جبڑا جیسے سلا ہوا تھا۔(ص:۳۷)

۸۔ تیر کی طرح گھر سے نکلا۔ گزرتی ہوئی رکشہ کو آواز دی۔(ص:۸۱)

۹۔ خشکی کا منظر کتنا بھلا لگ رہا تھا سحر کی مثال ان پر چھاتا جا رہا تھا۔(ص:۱۴۲)

۱۰۔ ڈمینتی کتنے دنوں مثلِ بوئے آوارہ اس بن میں پھرتی رہی۔ (ص:۱۶۸)

۱۱۔ سانپ کے سرخ منہ سے سوئی ایسی زبان چنگاری کی طرح بار بار نکلتی تھی۔ (ص:۴۲)

۱۲۔ سائے کی طرح برابر سے گزر جانے والے نامعلوم شخص کا خیال آیا۔ (ص:۲۸)

۱۳۔ سرسوتی ایسے بھڑکی جیسے جنگل کی ہرنی پتے کے کھڑکنے سے بھڑکتی ہے۔ (ص:۶۰)

۱۴۔ سورج میں روشنی ہی نہیں ہوگی... جیسے چراغ میں تیل ختم ہوگیا ہو۔ (ص:۱۱۲)

۱۵۔ سوئی ایسے پیروں والے سوال اس کے ذہن میں پھر رینگنے لگے۔ (ص:۴۳)

۱۶۔ کمرہ قلعی ہوکر انڈا سا نکل آیا تھا۔ (ص:۹۱)

۱۷۔ میز خالی ہے جیسے جھاڑو دلی ہوئی ہو۔ (ص:۱۲۷)

۱۸۔ نیلے کنچے ایسی پتلیاں ٹکٹکی باندھے اسے گھورتی رہیں۔ (ص:۳۷)

۱۹۔ وہ بھی اس پر ایسے چھا گئی جیسے آسمان پر گھٹا چھا جاتی ہے۔ (ص:۵۸)

۲۰۔ وہ پھر خالی آنگن جیسا ویران ہوجاتا۔ (ص:۸۸)

۲۱۔ وہ جانے کس جگ سے پربت سمان (کی طرح) جمے بیٹھے تھے۔ (ص:۶۴)

۲۲۔ یہ خیال اس کے اندر پھانس کی طرح کھٹکنے لگا۔ (ص:۱۷۴)

استعارات اور اسناد

- بستی بھی عورت ہوتی ہے۔ (ص:۷۹)
- بجلی کے کھمبے کے نیچے اُجالے کا تھال چھلک رہا تھا۔ (ص:۳۵)
- بند بیٹھے بیٹھے تو مجھے پھپھوندی لگ گئی۔ (ص:۱۰)
- پاؤں سوسو من کے ہوگئے۔ (ص:۳۸)
- پھر وسوسے کی لہر اُٹھنے لگی۔ (ص:۸)
- پھر دل کے صحن میں نئی چبھن کے ساتھ یادیں اُترنے لگی تھیں۔ (ص:۹۲)
- سروں کا سیلاب اُمڈا ہوا ہے۔ (ص:۱۰)
- خیال کے ہزار پیر ہوتے ہیں۔ (ص:۳۵)
- شکوک وشبہات کی دُھند کتنی پھیلتی کہ دوست دوست کو نہ پہچان پاتا۔ (ص:۲۳)
- قدموں کے ساتھ دل کی چال اور سانس کی رفتار بھی معمول پر آچکی تھی۔ (ص:۳۵)

- کیسا کیسا لوہا لاٹھ آدمی ناری کے سامنے موم ہو جاتا ہے۔ (ص:۶۱)
- گھوڑے دوڑ کیا رہے تھے ہوا میں بہہ رہے تھے۔ (ص:۱۷۲)
- مگر دماغ میں کنجی نہیں لگائی جاسکتی۔ (ص:۳۵)
- وہ ان رینگتی یادوں اور سرسراتے وسوسوں کے جال سے نکل کر اطمینان سے چلنا چاہتا تھا۔ (ص:۴۲)
- ہم تو سدا کے پھانک ہیں۔ (ص:۱۰۶)
- مکر کے پتلے گھوڑوں کو دھکیل کر شہر کے اندر لے آئے۔ (ص:۱۴۳)

مستعمل تلمیحات

- آدمی کو کوفی ہوتے دیر تھوڑا ہی لگتی ہے۔ (ص:۱۲۱)
- اُونچے نیزے پر بلند وقار معتبر سر۔ منور چہرہ گرد میں اَٹا ہوا لب ہلتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے۔ (ص:۱۲)
- جب میں دمشق پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اہلِ تقویٰ مشکل میں ہیں۔ (ص:۱۰)
- جنھوں نے یونانی سورماؤں کا بے جگری سے مقابلہ کیا تھا۔ (ص:۱۴۹)
- جیسے کوئی ۱۹۴۷ء کا خانہ برباد قافلہ... (ص:۱۲۴)
- چراغ تو اس جناب نے گُل کر دیا تھا مگر جب میں نکلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ خیمہ تو منور ہے۔ (ص:۱۰)
- حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کو من وسلویٰ کے ہوتے ہوئے مسور کی دال، پیاز، لہسن، ادرک کی یاد ستانے لگی۔ (ص:۱۴۶)
- قریب ہی فرات پر لشکر پڑا ہے... چاروں طرف سناٹا بس صحرا کے سانس کی آواز تھی۔ (ص:۱۵)
- قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ (ص:۱۳۳)
- کوئی نیک پاک مچھلی میرے اس عریضے کو امام غائب کے حضور لے جائے گی۔ (ص:۱۲۴)
- ہر شبِ براَت پر امام منتظر کے نام عریضے ارسال کرتے ہیں۔ (ص:۱۲۲)
- یار یہ تو بالکل انجیل کی دُلھنوں والا قصّہ ہو گیا۔ (ص:۱۱۵)
- یہ تو کوفی ہیں پتا نہیں اس نے کیا سوچ کر ان پر اعتبار کیا۔ (ص:۱۱۵)
- یہاں کے افسر تو بالکل فرعونِ بے سامان ہیں۔ (ص:۱۲۸)

تراکیب اور اسناد

آرزوئے وصل	آرزوئے وصل پوری ہوتے ہی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ (ص:۱۵۹)

پیمانۂ صبر	آخر منی (بلی) کا پیمانہ صبر چھلک گیا۔ (ص:۱۷)
تابِ ضبط	بس پھر تابِ ضبط کیسے رہتی: کہ دو پہر سے اب تک ایک کھیل منہ میں نہیں گئی تھی۔ (ص:۱۴۰)
درماندہ مسافر	ہم درماندہ مسافر ہیں کہ دُور سے آتے ہیں۔ (ص:۱۵۵)
دُرِ نجف	اصلی دُرِ نجف ہے... بس اتفاق سے مشہد میں ایک جوہری سے مل گیا۔ (ص:۱۲۲)
زہر خند	عبید نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ (ص:۲۴)
سامانِ ناؤنوس	گاؤ تکیے لگے ہیں۔ سامانِ ناؤنوس ہے محفل میں جوش وخروش ہے۔ (ص:۱۵۵)
عیاں راچہ بیاں	علامتِ مردمی ندارد، داڑھی مونچھ صفا چٹ... عیاں راچہ بیاں۔ (ص:۱۶۷)
بوئے آوارہ	دمینتی کتنے دنوں مثل بوئے آوارہ بن میں پھرتی رہی۔ (ص:۱۶۸)
مرگ نین	پھر مرگ نینوں والی درو پدی کیا کرے گی۔ (ص:۱۷۵)

مرکبات

چک پھیری	ہر وقت کام میں مصروف چک پھیری بنی ہوئی۔ (ص:۱۹۸)
چشمِ تصوّر	وہ صورت جیسے چشمِ تصوّر سے بھی اوجھل ہو گئی ہو۔ (ص:۶۷)
چھیل چھبیلی	ایک ناری چھیل چھبیلی ایک گھنے پیڑ کے نیچے بیٹھی ہے۔ (ص:۵۸)
خونم خون	پاؤں رستے کے کانٹوں سے خونم خون ہو گئے۔ (ص:۵۵)
دست بستہ	خدام دست بستہ کھڑے ہیں۔ (ص:۱۵۵)
دھما چوکڑی	وہ سب پھر اندر گھس آئے دھما چوکڑی مچا رہے ہیں۔ (ص:۲۷)
ڈانو ڈول	حمید بھی اب ڈانو ڈول ہے۔ (ص:۲۶)
شب بیدار	وہ شب بیدار دُکاندار دُکانیں بڑھا کر کس کھو میں چلے گئے۔ (ص:۴۰)
شش و پنج	اب حکیم شش و پنج میں کہ اسے نکالوں کیسے۔ (ص:۱۲۸)
غائب غلّہ	مردوں والی نشانی ہی غائب غلّہ ہو گئی۔ (ص:۱۶۶)
مرگ نین	پھر مرگ نین والی درو پدی کیا کرے گی۔ (ص:۱۷۵)
نصفا نصف	خالی سڑک نصفا نصف چاندنی اور سائے میں تقسیم۔ (ص:۳۹)
شکی المزاج	رفیقوں کی وفا نے مجھے شکی المزاج بنا دیا ہے۔ (ص:۲۶)

محاورات مع اسناد

اُکھڑ جانا	پھر وہ قائل ہونے لگتے مگر قائل ہوتے ہوتے پھر اُکھڑ جاتے۔ (ص:۲۱)
اُلّو بولنا	چوک میں اُلّو بول رہا ہے۔ (ص:۱۳)
اُمید کا چراغ جلانا	اچھا! تم اپنی اُمید کا چراغ جلائے بیٹھے رہو۔ میں تو سوتا ہوں۔ (ص:۱۱۶)
اندھا داؤ لگانا	بھائی یہ تو اندھا داؤ ہے جو نکل گیا، وہ پیرِ کامل جو رہ گیا پاگل۔ (ص:۳۹)
بازار چلنا	اچٹتی سے نظر سڑک پر ڈالی، بازار ابھی چل رہا تھا۔ (ص:۳۱)
باوا آدم نرالا ہونا	تیرا باوا آدم نرالا ہے کہ انتظار میں تجھے نیند آتی ہے۔ (ص:۱۰۸)
پارہ چڑھنا	پارہ اس کا ایک دم سے کتنا چڑھ گیا تھا۔ (ص:۷۳)
جھاڑو دل جانا	میز خالی ہے، جیسے جھاڑو دلی ہوئی ہو۔ (ص:۱۲۷)
رنج کھینچنا	غریب مسافروں کو رنج جو کھینچنا تھا۔ (ص:۱۴۰)
شوشہ چھوڑنا	یہ سعیدہ کا شوشہ تم نے کس خوشی میں چھوڑا۔ (ص:۷۳)
قلعی کھل جانا	ذرا دیر اور ٹھہرا تو ساری قلعی کھل جائے گی۔ (ص:۷۵)
کان کھڑے ہونا	حمید نے ایک مرتبہ پھر کروٹ لی اور پھر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ (ص:۲۷)
کمر لگانا	پھر طے ہوا کہ اب تھوڑی کمر لگا لی جائے۔ (ص:۱۱۱)
کنی کاٹ جانا	جب وہ اسے لالسا کی نظروں سے دیکھتا اور اس کی طرف بڑھتا تو کنی کاٹ جاتی۔ (ص:۱۷۵)
گھن لگ جانا	بس اسے گھن سا لگ گیا اور اپنا وجود بے معنی نظر آنے لگا۔ (ص:۱۶۵)
ماتھا ٹھنکنا	راج کماری! اسے دیکھ کر ماتھا تو میرا بھی ٹھنکا تھا۔ (ص:۱۶۹)
مٹی ڈالنا	اب سونا چاہیے! ہاں! مٹی ڈالو اس پہ۔ سوتے ہیں۔ (ص:۲۱)
موم ہو جانا	کیسا کیسا لوہا لاٹھ آدمی ناری کے سامنے موم ہو جاتا ہے۔ (ص:۶۱)
پسینہ پسینہ ہونا	آنکھیں کھول کر غور سے پہلے کو دیکھا، عجیب نظروں سے کہ پہلا پسینہ پسینہ ہو گیا۔ (ص:۹)

کہاوتیں مع اسناد

آنسوؤں کی گنگا بہنا	دم بھر میں آنکھوں سے آنسوؤں کی گنگا بہہ گئی۔ (ص:۴۷)
اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا	سالا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ (ص:۱۰۶)

تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا	دمینتی کی بیگانگی اس کے تابوت میں آخری کیل تھی۔ (ص:۱۷۲)
پھوٹے بھاگ	پھوٹے بھاگ ہمارے کہ میں راجا بیراٹ کی چاکری کرتا ہوں۔ (ص:۱۶۶)
چار چاند لگ جانا	جس ڈیوڑھی پہ قدم رکھے گا اسے چار چاند لگ جاویں گے۔ (ص:۲۰۱)
چندے آفتاب چندے ماہتاب	ایک نازنین چندے آفتاب چندے ماہتاب اکیلی بے حال بھٹکتی پھرتی ہے۔ (ص:۱۵۹)
چیونٹی کی چال چلنا	کیا چیونٹی کی چال چل رہے ہو۔ (ص:۷۸)
دولت کی گنگا بہنا	تاج وتخت کا مالک تھا۔ دولت کی گنگا بہتی تھی۔ (ص:۱۹۲)
سانپ سونگھ جانا	دونوں ہی کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ (ص:۵۱)
سردھڑ کی بازی لگانا	کتنا بے جگرا تھا۔ سردھڑ کی بازی لگانے پہ تیار رہتا تھا۔ (ص:۱۹)
کاٹو تو بدن میں خون نہیں	پھر تو اس کا وہ حال ہوا کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ (ص:۷۴)
گڑے مردے اُکھاڑنا	وہ کہاں سے آ گئی؟ گڑے مردے اُکھاڑنے لگے ہو۔ (ص:۷۰)
نوکری ٹھوکروں سے لگی	اس کے لیے کیا نوکری کی کمی ہے؟ ٹھوکروں سے لگی پڑی ہیں۔ (ص:۲۰۱)
نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری	نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ مردوں والی نشانی ہی غائب غلّہ ہوگئی۔ (ص:۱۶۶)
یک جان پانچ قالب	یوں نظر آ رہا تھا کہ یہ یک جان پانچ قالب ہیں۔ (ص:۱۸)

تجزیہ

انتظار حسین کا افسانوی مجموعہ ''خیمے سے دُور'' کا ہر افسانہ اپنے اندر قدیم و جدید مستعمل اور قلیل الاستعمال الفاظ کا بیش بہا خزانہ لیے ہوئے ہے۔ یعنی الفاظ کی ایک وسیع بساط ہے جس میں انتظار صاحب لفظوں سے بڑے خوب صورت انداز میں کھیلتے ہیں انھوں نے بڑی خوب صورت تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کا استعمال کیا ہے اور کہیں کہیں تو ایسی تشبیہات دی گئی ہیں کہ جن کے باطنی مفاہیم ہمارے ذہنوں کو غیر مرئی احساسات سے دوچار کر دیتے ہیں۔ جیسے سوئی ایسے پیروں والے سوال (ص:۴۳) یعنی ذہن میں آنے والے سوال در سوال اور جواب ندارد کی جو کیفیت ہے کہ اکثر اپنے ہی سوالوں سے پریشان ہو جائیں۔ اسی طرح اڑتا سا خیال پر چھائیں کی مثال ذہن میں آیا۔ اس میں بھی خیالات وتصوّرات کی آباد دنیا جہاں ہر لحظہ خیالات کی آمدورفت جاری ہو۔ ایک اور مثال، اس کی کھوپڑی ٹوپی کی طرح اُتار لی۔ میں انسانیت کی وہ سطح جس میں انسان کا قتل اس قدر آسان ہو گیا جیسے سر سے ٹوپی اُتار لینا۔ اسی طرح سانپ کے سرخ منہ سے سوئی ایسی زبان چنگاری کی طرح نکلتی تھی۔ اس جملے میں دو تشبیہات ہیں سوئی اور چنگاری۔ انتظار حسین کا یہ خاص کمالِ فن ہے کہ وہ ایک ہی فقرے میں

قواعد کو کئی زاویوں سے استعمال کر جاتے ہیں۔

ایسی ہی کچھ مثالیں استعارات کی ہیں مثال کے طور پر خیال کے ہزار پیر، میں خیالات وتصوّرات کی وسعت کی طرف اشارہ ہے جب کہ ''بستی بھی عورت ہے'' میں عورت کے اسرار، دل کی گہرائی اور مہربانی جیسی صفات کو بستی سے ملایا ہے۔ ایک اور جگہ استعارہ ہے پھپھوندی لگ جانا۔ اس میں انسان کا صلاحیتوں سے محروم ہوجانا بے کار اور سُست ہوجانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یا ہم جو سدا کے پھانک ہیں میں انتہائی مفلس و لاچار ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح استعارہ ہے'' کیسا کیسا لوہا لاٹھ آدمی بھی ناری کے آگے موم ہوجاتا ہے۔ اس میں موم کا پگھلنا اور آدمی کے دل کے پگھلنے کی خوب صورت کیفیت کا بہترین اظہار ہے ساتھ ہی لوہا لاٹھ یعنی مضبوط اور طاقت ور آدمی کا استعارہ ہے اور اسی جملے میں موم ہوجانا محاورہ کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ایسی کئی مثالیں ہیں جن کی وجہ سے ان کی تحریروں نے دل پذیر رنگ اختیار کیا ہوا ہے کہ لفظوں کے فن سے دلچسپی رکھنے والے تحقیق کے ذریعے اس بحرِ بے کنار سے موتی تلاش کرتے رہیں گے۔

انتظار حسین کے افسانوں میں درج تلمیحات کو سمجھنے اور ان کی تحریر کی گہرائی میں اُترنے کے لیے وسیع علم، تاریخِ ہند، اسلامی تہذیب وتمدن، ثقافت مذہبی عقائد اور دیو مالائی پس منظر سے واقف ہونا بہت ضروری ہے تاکہ تلمیحات کے ذریعے وہ تاریخ اور موجودہ حالات و واقعات کی جو پیوندکاری کرتے ہیں اسے سمجھا جاسکے۔

انھوں نے مرکبات اور تراکیب لفظی سے بھی اپنی تحریر کو خوش رنگ بنایا ہے۔ جو گزشتہ صفحات میں درج کردی گئی ہیں۔ ان کے افسانوں میں مترادفات کا بھی بڑا خوب صورت استعمال ہے مثال کے طور پر کلفتیں وصعوبتیں، چہ مگوئیاں و سرگوشیاں، سیدھا وکھرا، گھل مل، بھولی بسری، جدائی و دُوری، سکھ و آنند، گھال میل، لال چھپھا وغیرہ۔

انتظار حسین نے تکرارِ الفاظ سے اپنی تحریروں کو نئی چاشنی عطا کی ہے۔ اگرچہ بہت زیادہ لفظوں کی تکرار اسلوب کو بعض اوقات بوجھل بنا دیتی ہے مگر انتظار حسین کے افسانوں میں تکرارِ الفاظ سے ردھم ونغمگی کا تاثر اُبھرتا ہے مثلاً اکھڑا اکھڑا، کون کون، چلتے چلتے، رفتہ رفتہ، چوری چوری، تھوڑا تھوڑا، پڑھتے پڑھتے، تیز تیز، اُداس اُداس، جنم جنم، پچکارتے پچکارتے، سرکتا سرکتا، ڈرا ڈرا، تھوڑا تھوڑا، دودھیا دودھیا، پیچھے پیچھے وغیرہ۔

اسی طرح کئی جگہ صنعتِ تضاد کا بھی بہترین استعمال نظر آتا ہے جیسے اچھے بُرے، سر پیر، پیر کامل یا پاگل، جاگا سویا، اُجالے اندھیرے، چوٹی ایڑی، صبح شام، شانت اشانت، دھرمی، ادھرمی، گیانی اگیانی بے کلی آنند، اب جب، ہار جیت، ازل، ابد، لال پیلی، حاضر غائب، جدائی ملاپ، ہنسا رونا، سوتے جاگتے، مرجھانا، کھل جانا، پاک نجس سنسان آباد اور ٹھنڈا گرم وغیرہ۔

کہیں کچھ سابقے اور لاحقے بھی نظر آجاتے ہیں جیسے بے سر پیر، ہم رکاب بے سروپا، دامن گیر وغیرہ کچھ جملوں میں مجاز وکنایہ کی کیفیت نے بھی ان کی تحریر کو پُرکشش بنا دیا ہے مثلاً خیال پکانا، بازار چلنا، باتوں کا تار ٹوٹنا، شہر کو کھوندنا، گرمی نکل جانا، دکان بڑھا لینا، بجلی ٹھنڈی ہوجانا، ہونٹ سی لینا، خیال کے پیر، دل کے صحن وغیرہ۔

ان کی تحریر کی خوب صورتی اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب وہ اُردو ہندی کے ذو معنٰی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں یعنی ایک ہی لفظ کے اُردو میں کچھ اور معنٰی اور ہندی میں کچھ اور معنٰی ہوتے ہیں۔ اور پُرلطف بات یہ ہے کہ ایک ہی جملے میں ایک ہی املا لیکن دونوں کے معنٰی مختلف ہوتے ہیں مثال کے طور پر ''دُلھن آجاوے پھر ہم پوچھیں گے کہ لال! تم دُلھن کے نام سے لال پڑ جایا کرتے تھے... اور پھر ایک لال رمق سے اس کے گالوں میں اور کانوں کی گوری لوؤں میں تیر گئی''۔ یعنی اول لال لاڈلے کے معنوں میں جب کہ بعد میں اس لفظ کو شرم کی لالی یا سرخی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح غُلّہ غلیل میں لگانے والا چھوٹا پتھر اور دوسرے غلّہ بانی کے معنوں میں بھی استعمال کیا جانا ہے۔ دیہی کے ہندی میں جَون یا روپ بدلنے کے جب کہ اُردو میں دیہات سے دیہی علاقہ، داروغہ ہندی میں سربراہ اور اُردو میں قاضی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح مَن، دل اور کنویں کی منڈیر سمرن، موتیوں کی مالا یا تسبیح اور دوسرا اسم (نام) گُل، گُل ہوجانا محاورۃً بجھ جانا غائب ہوجانا اور دوسرا پھول، معرفت تصوف کے درجے و مراحل اور دوسرے وسیلہ یا ذریعے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان ذو معنٰی الفاظ کے مفاہیم کو سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ اسلوب اور تسلسل کو سمجھا جاسکے۔

انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں کہیں کہیں سیاقۃ الاعداد یعنی تعداد کے ذریعے بھی جملوں کو مکمل کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

- دھاول دبدھا میں پڑ گیا اپنے انگ انگ کو دیکھا ایک بار دو بار بار بار، ہے رام! کیا یہ میں ہی ہوں۔ (ص:۴۹)
- وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا جیسے نوجوان سے دو دو ہاتھ کرنے پر آمادہ ہو۔ (ص:۱۲۱)
- ایک پہر، دو پہر پھر یہ بھول جانا کہ اس تصوّر کی سنگت میں کتنے پہر گزر گئے۔ (ص:۵۷)
- تین چار ضروری فون کیے۔
- ان دنوں وہ کیونکر خود بخود تصوّر میں سماتی چلی جاتی تھی، سمائی رہتی تھی، پہروں دنوں، ہفتوں اور اَب اس کی صورت بھی تو اَب یاد نہیں (ص:۷۶) وغیرہ۔

ان کی تحریروں کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اسمِ صوت سے بھرپور تاثر اُبھارتے ہیں مثلاً دل کے دھڑکنے کو دھڑ دھڑ، لکڑیوں کے جلنے کو دیئڑ دیئڑ، پھرکنی کی آواز گھرر گھرر، چڑیا کا شور چیں چیں، چوں چوں، چڑیا کے پَروں کی آواز پھر چھوٹے اور نرم و نازک چڑیا کے بچے کا احساس چچ چچ، بلی کے دودھ پینے کی آواز چپڑ چپڑ بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور خوف کے احساس کے لیے گھگھیانا۔ ان محسوس آوازوں کے استعمال کی وجہ سے قاری کا دل و ذہن جزئیات اور منظر سے جُڑا رہتا ہے اور ذہن کے پردے پر خود بخود واضح تصویریں بنتی چلی جاتی ہیں۔

انتظار حسین کا تعلق بلند شہر کے علاقے ڈبائی سے تھا اور وہ ساری عمر اس تہذیبی و ثقافتی پس منظر سے وابستہ رہے یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں خاص علاقائی لب و لہجہ نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر چڑئیں، کنواڑ، بٹھال، مسالہ، لونڈئیں،

ڈومنٹیں، چھنٹ، ستاویں، آجاوے، رہوئے، گھڑیوں، صابون، بیاکل، شرماوے وغیرہ۔ اب ان الفاظ کے املا کو کچھ تبدیلی کے ساتھ اس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے چڑئیں کو چڑیاں، کنواڑ کو کواڑ یا دروازہ، بٹھال کو بٹھانا، مسالہ کو مصالحہ، لونڈئیں کو لونڈیاں، ڈومنٹیں کو ڈومنیاں، چھنٹ کو چھٹ، ستاویں کو ستانا، آجاوے سے آجائے، رہوئے سے رہنا، گھڑیوں سے وقت، صابون کو صابن بیاکل کو بےکل اور شرماوے کو شرمانا لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

انھوں نے اپنے دَور کے سماجی پس منظر اور عام بول چال کے بیشتر الفاظ ایسے استعمال کیے ہیں جن سے اس دَور کے افراد کی عادات واطوار، ذہنی اپچ اور لب و لہجے کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً جھاڑو دل جانا بڑے وسیع معنٰی رکھتا ہے جس کا مطلب گھر اُجڑ جانا یا سب کچھ برباد ہوجانا ہے اس سے بسے بسائے گھروں کا برباد ہوجانے کا جو کرب ہے وہ بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح مندی ہوجانے کا مطلب ہے کاروبار میں شدید نقصان اور اس نقصان سے پیدا ہونے والا معاشی بحران۔ اس کے علاوہ اُلّو بولنا یا بائیں آنکھ کا پھڑکنا بھی ہندوستان کی قدیم توہم پرستی یا قدامت پرستی کا اظہار ہے جس میں بدشگونی اور آنے والے حادثوں کا خوف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح خون میں سنی تلوار یہ لفظ سَن جانے مطلب ہے خون میں تربتر ہوجانا تاہم یہ لفظ اب کم ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی کچھ ثقافتی رنگ لیے کہیں شبِ برأت کا ذکر ہے کہیں ہولی دیوالی کا، کہیں مونچھوں کے کونڈے کی بات ہورہی ہے اور کہیں کسی شادی میں ہونے والی رونق کا ذکر ہے۔ ان لفظوں کا کچھ ایسا طلسم چھا جاتا ہے کہ قاری انتظار حسین کی افسانوی دنیا میں اپنے آپ کو محسوس کرنے لگتا ہے۔

انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں مُہمل الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں۔ اوّل تابع موضوع دوم تابع متبوع۔ تابع موضوع میں دوسرا لفظ پہلے کا تابع ہوتا ہے اور اس کے علیحدہ کوئی معنٰی نہیں ہوتے۔ جب کہ تابع متبوع میں دوسرے لفظ کے اپنے مخصوص معنٰی بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر تابع مہمل الفاظ ڈمل مل، ہچر مچر، تتو تھمبو، ملی دُلی، تر پھر، ہرج مرج، اہڑ جاہڑ، اناپ شناپ، واہی تواہی، اوبڑ کھابڑ، چھل بل، رفع دفع، لشتم پشتم، گھٹ چھنٹ، لت پت، الٹا پلٹا، تتر بتر وغیرہ جب کہ تابع متبوع میں حیض بیض لد پھَند، امی جمی، سُدھ بدھ، روکھے پھیکے، انجر پنجر، ہیر پھیر، نٹ کھٹ جیسے الفاظ شامل ہیں۔

ان کے اس افسانوی مجموعہ میں کچھ ایسے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو اَب متروک ہوچکے ہیں یا انھیں اب دوسرے لفظوں میں لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بجلی ٹھنڈی ہوجانا، مطبخ، باہنگ، بستر پوش، ٹوہا، طشتری وغیرہ یعنی بجلی ٹھنڈی ہوجانے کو بجلی بند ہوجانا، مطبخ کو باورچی، باہنگ کو اصطبل یا گھوڑوں کا رکھوالا یا سائیس، ٹوہا کو تلاش کرنا یا جاننا، طشتری بڑی پلیٹ یا ٹرے کے ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔

اسی طرح ہندی کے کچھ الفاظ اور جملے جیسے مُنڈ کو رَنڈ سے ملانا یعنی سر کو دھڑ سے ملانا، مُرگ نین یعنی ہرن جیسی آنکھیں، پستکیں یعنی مذہبی کتابیں (ویدیں) شناور یعنی تیراک اور ایسے بہت سے الفاظ شامل ہیں۔ انتظار حسین نے اپنے کچھ

افسانے ہند دیومالائی قصوں، بودھ جاتک کہانیوں اور قدیم ہندی داستان ''کتھا سرت ساگر'' کی طرز پر لکھے ہیں جن میں وہی زبان، اصطلاحیں، مثالیں اور مذہبی عقائد نظر آتے ہیں۔ مثلاً بھارت سنتان کے نرگاؤ (ص:۷۰)، بھارت بنس نرگاؤ سمان (ص:۱۶۶)، نل کا دسواں یگ (ص:۱۶۶)، پانڈووں کا تیراھواں برس (ص:۱۶۶)، تیرھویں برس کی پرکھشا (ص:۱۶۹)، گیتا کے آٹھویں ادھیائے کا پاٹھ (ص:۹۵) وغیرہ۔ یہ تمام اصطلاحیں ہندومت کی تاریخ، عقائد اور پس منظر کو بیان کرتی ہیں۔ ان افسانوں میں خاص طور پر فلسفۂ آواگون یا تناسخ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان افسانوں سے متعلق اویس الحسن نے اپنے مضمون ''داستان سے بچھڑا ہوا آدمی: انتظار حسین'' میں ڈاکٹر انور سدید کی یہ رائے بیان کی ہے کہ:

> ''خیمے سے دُور'' کے افسانوں میں دانشِ پارینہ پر انحصار کیا گیا ہے اور کتھا سرت ساگر کے انداز میں حقیقت کا بھید کھولنے کی کاوش کی گئی ہے۔ انتظار حسین کے یہ تجربات افسانے کے فن میں سنگِ میل ہیں۔ (۱۸)

انتظار حسین نے ہندی زبان کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی زبان کے بھی الفاظ و جملوں کو استعمال کیا ہے جیسے قرآنِ کریم کی سورت ''وَالتِّیْنِ'' کی ابتدائی آیات اور فارسی کے جملے عیاں راچہ بیان (ص:۱۶۷)، شمشاد مشہور بنام خود ومن (ص:۱۶۲) وغیرہ۔

ساتھ ہی انھوں نے کچھ انگریزی کے الفاظ Inrolment, Absurd, Confunse Decadence, Work, Corner, Expose جیسے الفاظ بھی لکھے ہیں۔

انتظار حسین ایک پُرفسوں افسانہ نگار ہیں کہ جو اپنی کہانیوں میں حقیقت سے گمان تک ایسے غیر محسوس احساسات کا اظہار کرتے ہیں جن کے اظہار کے لیے لفظ ناکافی ہوتے ہیں کہ جو کچھ صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوتا ہے درحقیقت اس سے کہیں زیادہ پس پردہ کہیں گم ہوتا ہے۔ یعنی جو کچھ نہیں لکھا جاتا دراصل وہی ہوتا ہے۔ ان کا تخلیقی اظہار ایک بھید بھری صورتِ حال کی تشکیل کرتا ہے اور قاری حیرت کے سمندر میں گم ہو کر اپنے وجود کے بکھرے خواب، اُمیدیں، خوشیاں اور غم سمیٹتا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

- روشنی رشتہ ہے یا رشتوں سے روشنی پیدا ہوتی ہے یعنی جسم اور پرچھائیں کا رشتہ روشنی نے پیدا کیا ہے یا روشنی کو جسم اور پرچھائیں نے پیدا کیا ہے... جس خیال کا سر پیر نہیں ہوتا، اس کے کتنے پیر ہوتے ہیں۔ (۱۹)
- یہ رشتوں کا جہان بھی کیا تنگ ہے کہ قدم ذرا غلط پڑا اور آدمی اس سے باہر پھر وہ خود ایک جہان ہوتا ہے، بکھرے رشتوں کا خودمختار جہاں۔ (۲۰)
- گھونسلہ عجیب ملک ہے کہ اس کی سرحد کو جو وقت سے پہلے پھلانگ گیا واپس نہ آیا اس دیس سے جو نکل گیا اس کے لیے واپسی کے راستے بند ہیں۔ (۲۱)

- کوئی آدمی خون بہا کر آدمی کی جون میں نہیں رہتا اور جنم جنم دُکھ اُٹھاتا ہے۔ (۲۲)
- اتنا انتظار کرا کے آنے والے اتنے ظالم کیوں بن جاتے ہیں... یہی کہ نجات دلانے آتے ہیں اور پھر ان سے نجات حاصل کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ (۲۳)
- باہر کے دُشمن سے نبٹا جاسکتا ہے مگر اندر کے دُشمن سے نبٹنا مشکل ہے۔ (۲۴)
- وہ ان رینگتی یادوں اور سرسراتے وسوسوں کے جال سے نکل کر اطمینان سے چلنا چاہتا تھا۔ (۲۵)
- موسم درجۂ حرارت کا نام نہیں، کیفیت کا نام ہے ایک موسم باہر ہوتا ہے ایک موسم ہمارے اندر ہوتا ہے۔ ہر موسم کا ایک پھل ہوتا ہے معلوم ہے جاڑے کے موسم کا پھل کیا ہے؟ دُھوپ۔ (۲۶)

یعنی ہر لفظ اور جملے میں چھپی معنویت اور حقیقت کس قدر وسعت نظری کی حامل ہے کہیں پس منظر میں سیاسی حالات کہیں نفسیاتی کیفیات، کہیں نا اُمیدی و پچھتاوا، کہیں اُصول و پابندیاں اور کہیں خواب و گمان کے احساسات کس قدر خوب صورت و مؤثر پیرائے میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتظار حسین کو افسانہ نگاری کا ایک مکمل دبستان اور صاحبِ اسلوب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ان کے ادبی کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے مظفر علی سیّد کہتے ہیں کہ:

> یہ سنجیدہ ادبی کارنامے ہیں جن میں عصری معنویت، تہذیبی تقابل اور نفسیاتی بصیرت ایک ہمہ جہت اسلوبِ بیان کی شکل میں بیک وقت موجود ہے۔ (۲۷)

منتخب افسانوی مجموعہ کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ان کی تمام تصانیف کی لفظیات پر کام کیا جائے تو اُردو اَدب میں نئی تراکیب و مرکبات اور تشبیہائی و استعارتی نظام کا ایک ایسا پہلو سامنے آتا ہے جس سے اُردو اَدب کے اسلوب میں جاذبیت و کشش میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ انھوں نے جس طرح اقدار کی پاسداری اور تہذیبی وثقافتی رنگوں کو بیان کیا ہے۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا ماضی سے بھی انمٹ رشتہ جڑا ہوا ہے اور ہم مستقبل کی طرف بھی گامزن ہیں۔ انتظار حسین نے جس طرح لہجوں کے اتار چڑھاؤ سے لفظوں کو برتا ہے۔ اس سے اُردو اَدب میں رچاؤ اور اسلوب کی چاشنی بڑھ جاتی ہے۔ یہی وہ منفرد انداز ہے جو انتظار حسین کو دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔

حواشی

(۱) فیاض احمد، انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے)، (لاہور: اورینٹل کالج، ۱۹۹۴ء)، ص:۱۷
(۲) ایضاً، ص:۱۹

(۳) ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، انتظار حسین: ایک دبستان، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء)، ص:۵۰
(۴) فیاض احمد، محولۂ بالا، ص:۲۲
(۵) ایضاً، ص:۲۳
(۶) فاخرہ فاطمہ، انتظار حسین کے ناول ''آگے سمندر ہے'' کا لسانی و ثقافتی مطالعہ، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے)، (کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۱۰ء)، ص:۹
(۷) آصف فرخی، چراغِ شبِ افسانہ: انتظار حسین کا جہانِ فن، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص:۳۸
(۸) ایضاً، ص:۲۹
(۹) ایضاً، ص:۲۹
(۱۰) ایضاً، ص:۴۰
(۱۱) ڈاکٹر حمید اللہ خان، جدید اُردو افسانے کا تکنیکی مطالعہ، (دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱۲ء)، ص:۱۱۲
(۱۲) ایضاً، ص:۱۱۶
(۱۳) ایضاً، ص:۷
(۱۴) ڈاکٹر نثار ترابی، انتظار حسین ایک اہم علامتی افسانہ نگار، مشمولہ ادبیات نمبر ۱۱۲-۱۱۱، جنوری تا جون، ۲۰۱۷ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص:۳۳۹
(۱۵) ڈاکٹر تحسین بی بی، انتظار حسین: علامت یا روایت، مشمولہ ''ادبیات'' محولۂ بالا، ص:۴۵۸
(۱۶) ڈاکٹر رؤف پاریکھ، لغات اور فرہنگیں، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۱ء)، ص:۲۲
(۱۷) ایضاً، ص:۲۴
(۱۸) اویس الحسن، داستان سے بچھڑا ہوا آدمی: انتظار حسین، مشمولہ ''ادبیات''، محولۂ بالا، ص:۴۱۴
(۱۹) انتظار حسین، خیمے سے دُور، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص:۳۹
(۲۰) ایضاً، ص:۳۴
(۲۱) ایضاً، ص:۹۴
(۲۲) ایضاً، ص:۹۴
(۲۳) ایضاً، ص:۱۱۷
(۲۴) ایضاً، ص:۱۶۲
(۲۵) ایضاً، ص:۴۲
(۲۶) ایضاً، ص:۶۸
(۲۷) مظفر علی سیّد، ''بستی'': ایک مطالعہ، مشمولہ ادبیات، محولۂ بالا، ص:۳۷۹

مآخذ:

(۱) احمد، فیاض، انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے)، لاہور: اورینٹل کالج، ۱۹۹۴ء

(۲) پاریکھ، رؤف، ڈاکٹر، لغات اور فرہنگیں، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۱ء
(۳) حسین، انتظار، خیمے سے دُور، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء
(۴) خان، حمیداللہ، ڈاکٹر، جدید اُردو افسانے کا تکنیکی مطالعہ، دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱۲ء
(۵) فاطمہ، فاخرہ، انتظار حسین کے ناول ''آگے سمندر ہے'' کا لسانی و ثقافتی مطالعہ، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے)، کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۱۰ء
(۶) فرخی، آصف، چراغِ شب افسانہ: انتظار حسین کا جہانِ فن، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
(۷) کریم، ارتضیٰ، ڈاکٹر، انتظار حسین: ایک دبستان، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء

رسائل:

(۱) ادبیات، نمبر ۱۱۲-۱۱۱، جنوری تا جون ۲۰۱۷ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد